Lesson 3: Ibrahim (Ayaat 35- 52): Day 10 سُوۡرَةُ إبراهيم کی تفسیر

آج کے سبق کا مین تھیم ہے "اولاد کے لیے دعائیں"۔ جس سبق میں سب سے زیادہ دعائیں آتی ہیں وہ آج کا سبق ہے۔ ابراھیمؑ کی وہ دعائیں جو نسلوں کو لگیں۔ کیسے مانگی پہلے کیا کیا۔ میرے خیال میں آج کا سبق اولاد والوں کے لیے اکثیر ہے۔ جو محروم رہ جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی کمی کو دور کرے۔

لیکن حقیقت ہے انبیاء کرام ہم سب کے لیے روشنی کے مینار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ذریعے سے نہ صرف یہ کہ ہمیں دین اور تعلق باللہ سکھایا بلکہ انبیاء کرام کے ذریعے سے دعا مانگنا بھی سکھایا۔ اور ساتھ ہی ساتھ آپ ابراہیمؑ کے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کے جو پوائنٹ نوٹ کریں گے، وہ اُن کا ادب، احترام، نعمت کی قدردانی، نعمت دینے والے کے ساتھ اِنسان کا رویہ، پھر آخر میں جہنم کے دِل خراش مناظر ہیں۔ آج کے سبق میں اِس سوال کا جواب بھی ملے گا کہ قیامت کے دن جب زمین و آسمان کو چینج کیا جائے گا تو اُس وقت لوگ کہاں ہونگے۔ آج کے سبق میں تقریباً ایک پورا رکوع دعاؤں پہ ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ ﴿٣٥﴾

اور جب ابراہیم نے دعا کی کہ میرے پروردگار اس شہر کو (لوگوں کے لیے) امن کی جگہ بنا دے۔ اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں بچائے رکھ

یہاں سے آگے ابراہیمؑ کی کچھ دُعائیں ہیں۔ مُفسّرین کہتے ہیں کے ابراہیمؑ نے جب اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے اسماعیلؑ اور اُن کی ماں بی بی ہاجرہ کو ایک ایسی وادی میں چھوڑ دیا کہ جہاں جھاڑ کے سِوا کُچھ بھی

نہیں تھا، اولاد کے سامنے تو بہت مضبوط رہے اور بیوی کے سوالوں کا جواب بھی بہت ہی زیادہ اَنا اور غیرت کے ساتھ دیا، لیکن جونہی بیوی بچے کو چھوڑ کر پلٹے تو زبان پر دُعائیں تھی۔ یہ ہوتا ہے ایک ایمان والے کا تعلق۔ دین پر عمل کرنے میں جہاں بھی کوئی مشکل آئے تو گھر والوں کو جما کے رکھتے ہیں۔ گھر والوں کو اپنے اُوپر بالکل بھی ترس نہیں دلاتے۔ کہ میں بہت دکھی ہوں، پریشان ہوں۔ پھر اُن کو تسلی دینے والے تنہائی میں اللہ سے تسلیاں لے رہے ہوتے ہیں۔ تو یہ دُعائیں اُس مواقع کی ہیں۔ جب تک کسی دُعا کا، کسی بات کا پس منظر نہ پتہ ہو، تب تک ہم اُس کی شدّت اور تاثیر کو محسوس ہی نہیں کر سکتے۔

اگر آج کی دعاؤں کو آپ اپنے اوپر لینا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے خود سے پوچھیۓ کہ کیا ہم اللہ کے احکامات کو مان چکے ہیں۔ اگر اچھا عمل کرنے کے بعد دعا مانگیں تو فوراً قبول ہوتی ہیں۔ نیک عمل کرنا، اللہ کی باتوں کو ماننا، قربانیاں دینا، ہجرتیں کرنا، یہ دُعاؤں کے پَر ہوتے ہیں، جب ہم یہ عمل کر کے دُعائیں مانگتے ہیں تو اُس کے بعد ہماری دُعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ احادیث سے یہ بات پتہ چلتی ہے کے دُعاؤں کی قبولیت کے اسباب میں ایک سبق کیا ہے؟ نیک کام کرو پھر اُس کے فوراً بعد دُعا کرو۔ اس میں ذکر ہوا تھا سورۃ آلِ عمرَان میں حضرت ذکریاؑ اور بی بی مریم کے قصے میں، هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ کہ جہاں عِبادت ہو رہی تھی، تو بی بی مریمؑ کو عبادت کرتے دیکھا تو ذکریاؑ نے وہاں ہی اپنے رَب کو پُکارا۔ تو پہلا عمل تو اِن باتوں پہ لکھ لیجیے کہ صِرف دُعائیں نہیں مانگنی اُس سے پہلے کوئی اچھا کام کرنا ہے۔ جتنا اچھا کام کریں گے دُعا کرنے کے لیے اگر وقت کم بھی بچ گیا تو آپ اِنشاءاللہ اُس کی تاثیر کو دیکھیں گے۔

پھر ذرا حضرت ابراھیمؑ کے مانگنے کے انداز میں تھوڑا غور و فکر فرمائیں۔ کیا کہے رہے ہیں، وَإِذْ قَالَ

اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ "ربِّ" اومیرے رَبّ۔ یہ کیوں نہیں کہا کہ رَبِّ موسیٰ، رَبِّ آدم، رَبِّ ابراہیم، رَبِّ نوح، سارے نبی موجود تھے۔ اِس سے پہلے اور آج ہمارے کُچھ بہن بھائیوں کے مطابق رَبِّ مُحمّدؐ کیوں نہیں کہا۔ ابراہیمؑ نے براہِ راست مانگا۔ ایک ایمان والے کی اللہ تعالیٰ سے ڈائریکٹ بات ہوتی ہے، بیچ میں واسطے اور وسیلے ڈال کر ہم اللہ سے اپنے تعلق کی کمزوری کا ثبوت دیتے ہیں۔ ہمارا خیال ہوتا ہے کے چونکہ ہمارا تو تعلق اللہ سے اتنا مضبوط نہیں اور نہ وہ ہجرتیں ہیں، نہ قربانیاں ہیں جو ابراھیم کی زندگی میں تھی تو نقصان کیا ہوتا ہے کے ہم دوسروں کی نیکیوں کو وسیلے بناتے ہیں۔ اگر مانگنے کا ڈھنگ سیکھنا ہے تو ابراھیم سے سیکھیں۔ پہلے اپنے رَب سے یہ سب کُچھ پُوچھا۔ جو آپ نے کہا یہ کردوں وہ کردوں۔ اُس کے بعد پھر ابراھیمؑ رَب سے مانگتے ہیں۔ اگر آپ اِس آیت کو پچھلے سبق کی آخری آیت سے بھی جوڑ لیں جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات کا احساس دلایا تھا، وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گِن نہیں سکتے۔ اور اسی آیت میں کیا آیا تھا مِنۡ كُلِّ مَا سَاَلۡتُمُوۡهُ ؕ اُس رَب نے تم کو سب کُچھ دیا ہے جو تم سوال کرتے ہو۔ اِن دونوں باتوں کو جمع کر کے دیکھ لیجیے تو ایک ایمان والا اللہ کی نعمتوں کے بوجھ میں دبا ہوتا ہے۔ اُس کو اِس دنیا میں اپنا جینا اپنا حق نہیں دکھتا بلکہ مہلت دکھتا ہے۔ اُس کو پتہ ہوتا ہے کہ میں نے اپنے رَب کی بہت نافرمانیاں کی ہیں اِس کے باوجود وہ ہمیں اتنا کُچھ دیتا ہے۔

جب اِنسان دُعا مانگتا ہے تو اُس کے پیچھے اللہ کی نعمتوں کا شُکر بھی ہو، اِس لیے حدیث میں آتا ہے کے بہترین دُعا کیا ہے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ ہے۔ مُجھے کبھی کبھی یہ بات سمجھ نہیں آتی تھی کہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ یہ دُعا کیسے ہو گئی۔ ہم نے تو اِس میں کُچھ مانگا ہی نہیں۔ جب غور کیا تو پتہ چلا کے دعا نہیں ہے بلکہ پچھلی ملی ہوئی

نعمتوں کا شُکر ہے۔ پہلے اگلا کھانا ہضم ہو گا تو آگے بھوک لگے گی، یعنی ایمان والا صِرف لینے، لینے کی نہیں دُعائیں مانگتا بلکہ جو ملا ہے اُس پہ شُکر بھی مانگتا ہے۔ تُرک بن حبیب فرماتے ہیں کے خُدا کا حق اِس سے بہت بھاری ہے کہ بندے اسے ادا کر سکیں۔ دُنیا میں کوئی کسی سے کام کرواتا ہے وہ اُسے اُسکی اُجرت دے دیتا ہے۔ ہمیں پتہ ہوتا ہے کے کہ اُس نے اتنا کام کیا۔ لیکن اللہ کی نعمتوں کا حق ہم دے ہی نہیں سکتے۔ پھر کہتے ہیں اللہ کی نعمتیں اِس سے بہت زیادہ ہیں کہ بندے اِن کی گنتی کر سکیں۔ صُبح سے اَب تک کی سانسوں کو گن سکتے ہیں گنتی مُمکن ہی نہیں، تو لو گو صُبح، شام توبہ استغفار کرتے رہو۔ صحیح بُخاری کی ایک روایت میں آتا ہے کہ نبیؐ فرمایا کرتے تھے اِلٰہی تیرے ہی لیے سب حمد و ثناء سزاوار ہے۔ یعنی تجھے لائق ہے، کہ ہم تیری تعریف کریں ہماری ثنائیں ناکافی ہیں۔ پوری اور بے پرواہ کرنے والی نہیں اِلٰہی تو ہمیں معاف فرما! کتنی خُوبصورت دُعا ہے ابراہیمؑ کا دِل اللہ کی نعمتوں کے جذبوں میں ڈُوبا ہوا تھا۔ مُحبت بھرا دِل نعمتوں کے احساس سے چُور دِل سے جو دُعائیں نکلتی ہیں پھر اُس میں کوئی سابقے، لاحقے نہ بھی ہوں، زمین آسمان کے قلابے نہ بھی ملائے ہوں، کوئی رونے رُلانے کی باتیں نہ بھی کی ہوں تو وہ سیدھی اُوپر جاتی ہیں۔ ہم سب پہلے تو اس دُعاؤں کو سن کر اپنا محاسبہ کریں کہ کیا ہمارے دِل میں اللہ کی شُکر گُزاری ہے۔ رَبِّ کیا رَب کو اپنا رَب سمجھتی ہوں یا دوسروں کو بیچ میں لا کے سفارشیں کرا کے آگے جاتی ہوں۔ اپنا تعلق مضبوط کریں۔ آپ دیکھیں کے جتنا ہم اللہ کی نعمتوں کا احساس دِل میں پیدا کریں گے، تو اُتنا اللہ سے مانگنا آسان ہو جائے گا، مُسند بزار کی ایک روایت میں آتا ہے قیامت کے دِن اِنسان کے تین دیوان نکلیں گے۔ (یعنی تین کتابیں) ایک میں نیکیاں لکھی ہو نگی، دوسرے میں گُناہ اور تیسرے میں اللہ کی نعمتیں ہوں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں میں سے سب سے

چھوٹی نعمت سے فرمائے گا کہ اُٹھ اپنا معاوضہ اِسکے نیک اعمال سے لے لے۔ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ يَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِيۡمِ پھر تم سے نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ تیسرے ڈبے میں سے صرف ایک نعمت نکلے گی اور انسان کے سارے عمل کھا جائے گی لیکن اُس کا پیٹ نہیں بھرے گا، وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا ؕ سب عمل ختم۔ پھر وہ یکسو ہو کر کہے گی باری تعالیٰ میری پُوری قیمت وصول نہیں ہوئی۔ اب آپ دیکھیئے کہ نعمتوں کی قیمت ہی نہیں پُوری ہو رہی تو ذرا آپ سوچئے کہ ابھی گُناہوں کا ڈبہ تو پیچھے پڑا ہوا ہے۔ کیا بنے گا اُس بندے کا۔ اب کیسے پھر اللہ تعالیٰ کرے گا اِس کے لیے مُختلف روایتیں ہیں۔ لیکن دُعا نکلتی ہی شُکر گُزار دِل سے ہے یہ جو ہم اکڑے پھرتے ہیں اور رعونت بھرے کہ نماز کے لیے جھکتے ہی نہیں ہیں، اور روزے کا سُن کے بھی ہمارے دِل میں خیال نہیں آتا کہ ہم رکھ سکتے ہیں، یہ اصل میں نعمتوں کا احساس نہ ہونا ہے۔ اگر اللہ کا رحم ہو گا اللہ نیکیوں کو بڑھا کے نعمتوں کو پُورا کر دیگا۔ یہ اُس کی مرضی ہے۔ حضرت داؤدؑ کے بارے میں آتا ہے کہ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے پُوچھا کہ اے اللہ میں تیرا شُکر کیسے ادا کروں۔ کیونکہ شُکر کرنا بھی ایک نعمت ہے، یعنی اگر آج آپ شُکر گزار ہیں ماشاءاللہ تو یہ اللہ کی نعمت آپ کو ملی۔ آپ ناشُکرے بھی ہو سکتے تھے۔ تو یہ بھی ایک نعمت ہے۔ جواب ملا "داؤد اَب تو شُکر ادا کر چُکا جب کہ تو نے یہ جان لیا اور اِس کا اقرار کر لیا کہ تو میری نعمتوں کی شُکر کی ادائیگی سے قاصر ہے" یعنی اللہ تعالیٰ نے جواب دیا، کہ تیرے دِل میں اِن جذبوں کا اُبھرنا کہ اللہ میں تو تیرا شُکر کر ہی نہیں سکتا، یہی شُکر ہے"۔ حقیقت یہی ہے آپ کسی اِنسان کے ساتھ اپنے معاملے کو دیکھ لیں، ہم دِل کی گہرائیوں سے کہتے ہیں آپ کا تو میں حق دے ہی نہیں سکتی، آپ نے جو میرے لیے کیا میں تو وہ کر ہی نہیں سکتی۔ تو جب ایسے جذبے دِل میں آتے ہیں تو پھر اِنسان کو واقعی ہی اللہ سے

دُعامانگنی آ جاتی ہے۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں! اللہ ہی کے لیے تو حمد ہے جسکی بے شُمار نعمتوں میں سے ایک نعمت کا شُکر بھی، ایک نئ نعمت کے بغیر ہم ادا نہیں کر سکتے۔اِس نئ نعمت پرَ پھر ایک شُکر واجب ہو جاتا ہے۔ پھر اِس نعمت کی شُکر گُزاری کی ادائیگی کی توفیق پرَ پھر شُکر بنتا ہے کہ نعمت ملی۔

یعنی مثال ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے مُجھے یہ پانی کا گلاس بھیجا تو میں نے اِس پانی کو بِسم اللہ پڑھ کر پیا تو میں کہوں الحمد للہ۔ تو پانی پہلی نعمت تھی میرا الحمد للہ کہنا دوسری نعمت ہے۔ میں یہ بھی تو کہہ سکتی تھی کہ مُجھے اللہ نے گرم پانی دیا۔ ایسے گلاس میں کیوں دیا، یہ ناشُکری تھی۔ مُجھے اُس سے زیادہ اللہ نے توفیق دی میں کہتی ہوں، اللہ تیرا شُکر ہے تو نے مُجھے گلاس دیا، تو اب میں نے پہلا شُکر یہ اس پانی کے گلاس کے لیے کیا۔ تو کہتے ہیں کے یہ جو میں نے کہا اللہ تیرا شُکر ہے تو نے مُجھے پانی کا گلاس دیا، تو اِس نعمت پہ پھر ایک دفعہ کہو اللہ تیرا شُکر ہے میں نے تیرا شُکر یہ ادا کیا۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ جب دِل میں اتنی مُحبت ہو اللہ سے تو پھر بات پتہ چلتی ہے۔ ایک عربی کا شعر ہے اُس میں شاعِر کہتا ہے میرے تو رُونگٹے رُونگٹے پہ زبان لگی ہوئی ہے یعنی میرے جسم کا ایک ایک رُوواں اللہ کی نعمتوں کا شُکر ادا کرتا ہے۔

پھر بھی شُکر کا حق ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَا تُحۡصُوۡهَا پھر بھی اِن کو اللہ تعالیٰ نے کیا نعمت دی تھی اس وقت کوئی گاڑی، کوئی گھر، نہیں بیوی بچے کو اللہ کے حُکم سے اللہ کا گھر آباد کرنے کے لیے چھوڑ آئے۔ یہ شُکر تھا ابراھیمؑ کا کہ اللہ تو نے مُجھے اِس کام کے لیے چُنا۔ دُنیا میں اتنے لوگ ہو سکتے تھے جن سے یہ خدمت لیتا۔ کیا تو نے مُجھے اس چیز کے لیے چُنا کہ تیرا وہ گھر بیابان بنجر جگہ پہ ہے اُس کو تو میرے بچے سے آباد کرائے گا رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا اللہ اگر اَب میں اپنے بچے کو ادھر چھوڑ آیا ہوں میری بیوی ادھر ہے تو اِس شہر کو امن والا کرنا۔ یہ نہ ہو کہ کوئی درِندہ یا بھیڑیا آئے اور

اُن کو کھا جائے۔ کوئی سانپ بچھو آئے اُن کو نگل جائے۔ اللہ میرے بچے بیوی کی حفاظت کرنا کیونکہ ہم سب جانتے ہیں پہلا مسئلہ سیکورٹی کا ہوتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے اپنی بیوی بچوں کی حفاظت مانگنی چاہیے۔ اللہ میری بیوی، بچوں کی حفاظت فرما اُن کی نگاہوں کی حفاظت کرنا وہ غلط جگہوں کو نہ دیکھیں، اُنکے کانوں کی حفاظت کرنا وہ غلط نہ سُنیں وَّاجۡنُبۡنِىۡ وَبَنِىَّ اَنۡ نَّـعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ ؕ مجھے اور میرے بچوں کو بتوں کی پُوجا سے دور رکھنا۔

سورۃ البقرہ کے پندرھویں رکوع میں ہم پڑھ چکے ہیں بس تھوڑا سا فرق ہے، وہاں رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا یہاں هٰذَا بَلَدًا کی جگہ هٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا ہے بس تھوڑا سا فرق ہے جب آپ آیت کو سامنے رکھ کے دیکھ لیں گے تو پتہ چل جائے گا کے دونوں دُعاؤں میں صِرف لفظوں کا تھوڑا سا فرق ہے بات ایک ہی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نبیوں کا جو عمل ہوتا ہے وہ کتنا خُوبصورت ہوتا ہے۔ یہاں ایک دم آپ کو لگا کہ ابراہیمؑ کا قصہ کیوں آ گیا۔ ہم تو پیچھے ایسی آیتیں پڑھ رہے تھے کہ جس میں ہمارے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے تو وجہ پیچھے وہی ہے کہ کُچھ لوگ ہوتے ہیں وہ اللہ کی نعمتوں کو کُفر سے بدلتے ہیں۔ مکہ والوں نے ابراہیمؑ کے دین کو شرک کا دین بنا لیا تھا، نبیؐ کی نعمت کا اِنکار کر کے اِن کو مکہ سے نکالنے کے اسباب جمع کر دیے۔

تو اللہ سُبحانہ و تعالیٰ یہاں ابراہیمؑ کو ایک رول ماڈل کے طور پہ لاتے ہیں کہ اے مکہ والو تم ابراہیمؑ سے نسبت جوڑ رہے ہو، حالانکہ تمہارے عقائد ابراہیمؑ سے بالکل مختلف ہو چکے ہیں۔ تم اُن کی زندگی کا عشرِ عشیر بھی نہیں جان سکے۔ اگر واقعی ہی تم ان سے نسبت لیتے ہو تو پھر تمہیں کام بھی ویسے کرنے پڑیں گے۔ اَب حضرت ابراہیمؑ کے دعا مانگنے کے انداز کو بھی دیکھ لیں۔

پہلے تو اُنہوں نے رب کو ڈائریکٹ پُکارا۔ پھر سب سے پہلے اس شہر کے امن کو مانگا۔ پھر وَّاجۡنُبۡنِيۡ مُجھ کو بچا وَّاجۡنُبۡنِيۡ کا لفظ کیا ہے جُنَب سے ج،ن،و، اِجتناب کرنا۔ جُنابت بھی اسی سے ہے، یعنی مُجھے ان سے دور رکھنا وَبَنِيَّ اور ہمارے بچوں کو کس سے اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ ؕ کہ ہم بتوں کو پوجیں یہ جو لفظ اَصۡنَامَ ؕ ہے یہ صنم کی جمع ہے، اور صنم خاص مورت والے بُت کو کہتے ہیں جس طرح آپ مورتیاں دیکھتے ہوں گے کسی جگہ رکھی ہوئی کسی مندر میں کسی دُکان کے کاؤنٹر پہ تو جو پوری ڈھلی ڈھلائی مورتی ہو اُس کو صنم کہتے ہیں۔ اسی طرح وَثَن کا لفظ آتا ہے؛ و،ث،ن، یہ سارے لفظ ہم آگے سورۃ ابراھیم میں پڑھیں گے۔ سورۃ حج میں ہے غالبًا۔ وَثَن کہتے ہیں کسی بھی چیز جس کو پوجا جائے یعنی درخت، پتھر، قبر، یہ وَثَن ہے۔ یہاں خاص طور پر بتوں کی پوجا سے بچنے کی بات کی؟

سوال پیدا ہوتا ہے کے ابراھیمؑ نے اپنے لیے دُعایوں کی، کیا اُن کو اس بات کا ڈر تھا کہ میں کبھی بُت پوجوں گا۔ علماء اکرام نے اس پہ بات کی ہے، تو اس کی چند وجوہات ان کے سامنے ہیں۔ پہلی وجہ کیا ہے وہ کہتے ہیں ان کی عاجزی کے لیے ہے اور دوسری بات کہ نبی بھی اپنے نفس پہ کبھی مطمئن ہو کے نہیں بیٹھ گئے کہ ہم تو کبھی بتوں کو پوج ہی نہیں سکتے۔ یعنی شیطان تو کسی کے بھی پیچھے لگ سکتا ہے۔ ٹھیک ہے نبی معصوم الخطاء ہوتے ہیں لیکن ان کو ڈر تھا کہ کہیں ہمارے ساتھ ایسا معاملہ نہ ہو جائے لہٰذا اُنہوں نے اپنے ساتھ اولاد کی بھی بات کرلی۔ اب ایک سوال اُبھرتا ہے؟ کہ حضرت ابراہیمؑ نے تو یہ دُعا مانگی تھی کہ اے اللہ میرے اور میری نسلوں میں کبھی بت نہ پوجیں جائیں، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مکہ والے بُت پوجتے تھے جبکہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے تھے۔ تو اس کا جواب سمجھ لیجئے براہِ راست جو لوگ حضرت ابراہیمؑ کے بعد حضرت اسماعیل کی نسل سے تھے اُنہوں نے کبھی بُت نہیں پوجے۔

بُت پرستی مکہ میں تب ہوئی جب قبیلہ جُرہم مکہ میں آ کے آباد ہوا، اور وہ دوسری قوم سے تھے۔ اُنہوں نے پھر اِس طرح کا انٹر یکشن کیا کہ جس کے بعد مکہ میں ایک سے ایک بُت بنتے گئے، نبی ﷺ کی ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جہنم میں امر بن رُحیٔ اپنی انتڑیوں کے گرد گھوم رہا ہے جیسے جس کسی کے جسم سے اُن کی ساری انتڑیاں باہر ہوں اور گدھے کی طرح اس کے گرد چکر لگائے۔ جیسے کولہو کا بیل ہوتا ہے۔ کیوں، کہا یہ ہے وہ شخص جس نے سب سے پہلے عرب میں بُت پرستی کو مُتعارف کروایا تھا۔

تو وہی بات ہے جو اچھی بات کی بات کرے گا تو اسکو اچھا فائدہ ملے گا جو بُری بات پیدا کرے گا اس کے ساتھ بُرا ہو گا۔ تو حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے براہِ راست لوگوں نے کبھی بت نہیں پوجے۔ لیکن جب رشتے داریاں ہوئی خاندان ہوئے خاص طور پہ حضرت اسماعیلؑ کی شادی ہوئی تھی قبیلہ جُرہم کی ایک عورت سے تو گویا کہ جیسے آج ہم مسلمان غیر مسلموں کے انٹر یکشن کی وجہ سے بہت سارے بت اپنے دلوں میں شادیوں میں رسموں کے نام سے لے کے بیٹھے ہوتے ہیں۔ تو عربوں کی ہلاکت کُچھ اسی قسم سے ہوئی تھی۔ تو لہٰذا اُن کی یہ دُعا اللہ نے قبول کی تھی لیکن براہِ راست دیکھیں تو نہیں پتہ چلتا۔

حضرت ابراھیمؑ نے ان بُتوں کو عملی طور پر بعد میں توڑا بھی تھا۔ سورۃ انبیا میں جا کے ہم انشاء اللہ اس کے بارے میں پڑھیں گے خیر کیوں بُت نہ پُوجیں اس لیے کہ؛

رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٦﴾

پروردگار، اِن بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے (ممکن ہے کہ میری اولاد کو بھی یہ گمراہ کر دیں،

لہٰذا اُن میں سے) جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً تو درگزر کرنے والا مہربان ہے۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اے میرے رَب، بار بار دیکھئے گا اس پورے سبق میں رَبِّ اے میرے رَب۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابراھیمؑ کا دِل ہی نہیں بھر رہا اپنے رَب کی باتیں کرتے ہوئے۔ آپ اس جملے کو ایسے سوچیں جیسے بچہ ماں کو پُکارتا ہے امّی، امّی ماما، پلیز امّی یعنی بار بار بچہ ماں کو پکارتا ہے تو اس پہ ماں کو پیار آتا ہے۔ تو دُعا مانگنے کا ایک سلیقہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بجائے یہ کہ ایک ہی دفعہ کہے کے اللہ یہ دے دے وہ دے دے یہ کر دے وہ کر دے بلکہ اللہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد کہے اللہ جی یہ دے دے ، پلیز دے دے اللہ تعالیٰ، یہ بھی دے دے۔ تو بار بار بیچ میں اللہ سُبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ تعلق جوڑنا یہ ایک قسم کی مُحبت کا اِظہار ہے۔

اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ‌ۚ بیشک ان بتوں نے پہلے بھی بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے ، فَمَنۡ تَبِعَنِىۡ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡ‌ۚ ، اور جو کوئی میری پیروی کرے وہ تو بلاشبہ مُجھ سے ہے، وَمَنۡ عَصَانِىۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ اور جو میری نافرمانی کرے تو بیشک توں بخشنے والا مہربان ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے یوں یہ بات کیوں کہی کہ اِن بتوں نے بہت سارے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اس لیے کہ آپ دیکھیں بُت بذاتِ خود تو مٹی کے ہوتے ہیں یا پتھر کے ہیں یا پیتل کے ہیں، لیکن پیگن کلچر بہت رنگ روپ والا ہوتا ہے۔ آج بھی اگر آپ کسی انڈین مووی کے اندر ان کی رسم ورواج اور ان کے ایسے کاموں کو دیکھیں جس میں یہ اپنی خاص ہولی مناتے ہیں یا کسی جگہ جاتے ہیں تو آپ دیکھیں کہ ان میں بڑی کشش ہوتی ہے۔ کہیں رنگ پھینک رہے ہیں، کہیں خوشبوئیں پھینکی جاری ہیں اور کہیں پھولوں کی پتیاں پھیلائی جاری ہیں۔

تو یہ وہ کلچر ہے کہ جو لوگوں کو سیدھے سادھے دین سے دور کر دیتا ہے۔ یہ بات تو ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔ جتنا زندگی میں فن آئے گا اُتنا ہی سیدھا سادھا دین پھیکا لگے گا۔ آپ آزما کے دیکھیں آپ پورا مہینہ کہیں نہ جائیں سیدھے سیدھے نماز پڑھیں قُرآن پڑھیں اور جو آپکی روٹین لائف ہے، یہ قُرآن آپ کے اندر جذب ہو گا۔ آپ کو مزہ آئے گا۔ جہاں آپ کسی ہفتہ مصروف ہوئے آپ ڈیسٹریکٹ ہو گئے۔ سوموار تو گیا کام سے، کیونکہ اُس سے پہلے دو تین دن مشکل گزرے، جُمعرات جُمعہ بھی چلا جاتا ہے کیونکہ کہ اگلے پروگرام کے خواب آنکھوں میں بسنے لگتے ہیں۔ یہ ہے وہ کمزور پہلو جو ہم لوگوں کا بیلنس خراب کر دیتا ہے۔

اللہ سُبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں دُنیا میں رہبانیت کے لیے نہیں بھیجا، لیکن آزمائش بہت بڑی ہے۔ آپ اس کو یوں سمجھیں کہ جیسے روڑ پہ کوئی اور گاڑی نہ ہو تو ڈرائیونگ کرنا کوئی مشکل نہیں، میرے جیسا بندہ بھی کر لے گا۔ سیدھے چلتے جاؤ، نہ دوسری گاڑی جس سے ٹکراؤ ہو گا۔ ڈرائیونگ مُشکل تب ہے جب اِدھر سے گاڑیاں اُدھر سے گاڑیاں کہیں کُچھ کہیں کُچھ۔ انسانوں کی اس دنیا میں یہی میرا اور آپ کا امتحان ہے، اور اِس کا طریقہ ایک ہے کہ ہم اپنی حدود میں رہیں۔ یہ میری سونے کی حد ہے۔ یہ کھانے کی حد ہے، یہ ملنے ملانے کی حد ہے۔

آگے جب آپ رمضان کے لیکچر سُنیں گے میں آپکو وہ حدیث بھی بتادوں گی کہ چار چیزیں اللہ کے نبیؐ رمضان میں کٹ ڈاون کر دیتے تھے اور اس میں ایک کثرتِ اُلخلاط 'یعنی لوگوں سے ملنا جُلنا کم کر دیتے تھے۔ ہم تو اسے حقوق العباد کا نام دیتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ ہمیں ہمارے حق سے بھی دور کر دیتا ہے۔

تو لہذا ابراھیمؑ نے بتوں کی طرف توجہ دلائی کہ اے اللہ میری نسلیں کہیں اس سے گمراہ نہ ہو جائیں۔ اس سے پہلے قومِ نوح تھی۔ قومِ نوحؑ نے پانچ بڑے بُت بنائے ہوئے تھے۔ پانچوں سورت نوح میں پڑھیں گے۔ تو اُس کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ اِنھوں نے پہلے بھی کیا، لیکن آگے ابراہیمؑ کا عقیدہ دیکھیں۔ کہہ رہے ہیں بے شک، بُت پوج رہے ہیں، چاہے میری نسل سے ہیں مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ لیکن جو تیری پیروی کرے گا اُس سے میرا تعلق ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اللہ جو تیرا فرماں بردار ہے اُس سے میری مُحبت ہے اور جو تیرا فرماں بردار نہیں ہو گا پھر میرا اُس سے کوئی تعلُق نہیں ہے وَمَنۡ عَصَانِىۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ جو میری نافرمانی کرے تو بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے، اس سے ملتا جلتا جملہ سورۃ مائدہ کے آخر پہ ہے، کہ اے اللہ اگر یہ خراب کام کرتے ہیں، تو تو رب ہے اِن کو پکڑ سکتا ہے لیکن تو معاف کر دے، تو غفورالرحیم ہے۔ یہاں سے آپ کو نبیوں کی مُحبت اور حِلم دِکھتا ہے اور حضرت ابراہیم کی طبیعت کے بارے میں سورۃ ھود میں پیچھے پڑھ چُکے ہیں اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ آیت 75 میں تھا کہ بیشک ابراہیمؑ بڑے ہی نرم دِل اور ہر وقت اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

اسی لیے آپ دیکھیں کہ جب گناہ گاروں کا ذکر ہوا تو اُس وقت حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کی صفتیں غفوری اور رحیمی کا تذکرہ دیا۔ حضرت عیسیٰ کی التجا کا ذکر جو سورۃ مائدہ میں اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ‌ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۱۸﴾ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے، گویا کہ یہاں سے آپ کو ابراہیمؑ کے دِل میں اپنی قوم کا درد زیادہ دِکھتا ہے۔ یہ مراد ہے۔

حضرت عیسیٰ کی بات سے ایسے لگ رہا کہ، پھر کر دے تیری مرضی ہے تو غالب ہے، لیکن ابراہیمؑ کہہ رہے ہیں کہ نہیں فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ اللہ جی آپ بہت مہربان ہیں بہت معاف کرنے والے ہیں لہذا آپ ان کو معاف کر دیں۔

اب اس بات کے بیچ میں خود کلامی ہے۔ میں اور آپ تو اس کو کتاب کے صفوں پہ لکھا ہوا پڑھ رہے ہیں۔ لیکن یہ باتیں حضرت ابراہیمؑ کے دل سے نکل رہی تھیں۔ اور نہ ان کو پہلے کسی نے لکھ کے دیں کہ یہ پرچہ کھول لینا اور گھومتے ہوئے اور لوگوں کو ٹکریں مارتے ہوئے، اس کو دیکھتے ہوئے دُعائیں مانگتے رہنا۔ دُعا ہوتی وہ ہے جو دل سے نکلے۔ یہ ابراہیمؑ کا درد تھا اور اللہ سے تعلق تھا۔ یہ ابراہیمؑ کا اپنی قربانیوں کا سچا ہونا تھا۔